نسخ فی القرآن اور اس کے کلیدی عناصر: ایک تعارف

نصیر احمد قاسمی*

ABSTRACT:

Naskh in the Quran and Its Key Elements: An Introduction

Naskh (the theory of Abrogation) is one of the important branches among the sciences related to the *Qur'┐ nic* Studies, the significance of which can be judged from the fact that the predecessors (scholars of classical period) have authored various books on this subject.

In this paper, an attempt has been made to throw light on different aspects of the theory of *Naskh*. It makes discussions on the literal and technical meanings of *Naskh*; difference between *Naskh* and *Bad*┐ '; distinguishing *Naskh* from *Takh*╖ ┘ ╖ , and *Ististn*┐ '; conditions of *Naskh*; reliable and non-reliable ways of knowing *Naskh*; and discusses, in detail, the commandments related to various abrogated verses of the Holy *Qur'*┐ *n*. It discusses the views of various scholars and *Mufassir*┘ *n* on the abrogated verses of the *Qur'*┐ *n* as well.

Key words: *Qur'*┐ *n, Naskh*, *Bad*┐ ', theory of Abrogation, *Takh*╖ ┘ ╖ .

قرآن کریم کے علوم میں "نسخ" ایک مہتم بالشان علم ہے، جس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متقدمین علماء نے باضابطہ اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اظہر من الشمس ہے کہ نسخ کے حوالے سے قرآن کریم میں جتنی آیات کو منسوخ قرار دیا گیا ہے، وہ عقلا و نقلا دونوں اعتبار سے محل نظر ہے، جس کے نتیجہ میں خود قائلین نسخ علماء نے بھی بہت سی آیات میں تطبیق دے کر ان میں نسخ کے دعوی کو مسترد کیا ہے۔

اس مقالہ میں راقم الحروف نے " نسخ " کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے، نسخ کے لغوی واصطلاحی معانی، نسخ اور بداء کے درمیان فرق، تخصیص اور استثناء سے نسخ کا امتیاز، شرائطِ نسخ، نسخ فی القرآن کے سلسلے میں علماء مفسرین کے آراء پر بحث کی ہے۔

لغت میں "نسخ" مندرجہ ذیل معانی میں استعمال ہوا ہے:

---

* ریسرچ اسکالر، شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا۔

زائل کرنا، مٹانا، (۲) لکھنا، نقل کرنا (۳)، بدل دینا۔[1]

قرآن پاک میں بھی " نسخ" ان معانی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں، تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے﴾[2]

اس آیت کریمہ میں "نسخ" پہلے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت، اور اللہ خوب جانتا ہے، جو اتارتا ہے، تو کہتے ہیں، تو، تو بنالاتا ہے، یہ بات نہیں، پر اکثروں کو ان میں خبر نہیں﴾[3]

اس آیت کریمہ میں لفظ "بدّلنا" وارد ہوا ہے، اور یہ "نسخ" کے اسی معنی و مفہوم کے لئے استعمال ہوا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُون﴾[4] یعنی ﴿ہم لکھواتے جاتے تھے، جو کچھ تم کرتے تھے﴾۔ اس میں نسخ دوسرے معنی میں وارد ہوا ہے۔

تیسرے معنی کے لئے اگرچہ قرآن کریم میں لفظ "نسخ" وارد نہیں ہوا ہے، البتہ اس کے مفہوم و معنی میں ضرور استعمال ہوا ہے، جیساکہ سورہ نحل کی آیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

ان معانی میں اہل عرب کے کلام بھی وارد ہوئے ہیں، چنانچہ اہل عرب بولتے ہیں: "نسخ الحاكم الحكم أو القانون، أبطله" یعنی "حاکم نے حکم یا قانون کو منسوخ کردیا، یعنی ختم کردیا"۔ "نسخ الشيب الشباب، اذا أزاله وحلّ محلّه" یعنی "بڑھاپے نے جوانی کو ختم کرکے اس کی جگہ لی"۔ اسی طرح اہل عرب کہتے ہیں: "نسخت الكتاب أي نقلته" یعنی "میں نے کتاب کو نقل کیا"۔ "نسخت الشيء أي كتبته" یعنی "میں نے کسی چیز کو لکھا"۔ اس طرح "نسخ" کے لغوی معنی کی، نہ صرف قرآن کریم کی آیات سے تائید ہوتی ہے، بلکہ کلام عرب میں استعمال شدہ جملوں سے بھی ان کی تائید اور تصدیق ہوتی ہے۔

نسخ کے اصطلاحی معنی:

نسخ کے اصطلاحی معنٰی میں متقدمین اور متاخرین علماء کے درمیان اختلاف آراء پایا جاتا ہے، چنانچہ متقدمین علماء نسخ کو وسیع معنی میں استعمال کرتے ہیں، جس میں عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید، مجمل کی تفسیر، اور استثناء، شرط و وصف سب ہی شامل ہیں، جیساکہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رقم طراز ہیں:

صحابہ کرام اور تابعین کے کلام کے استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ لوگ نسخ کو لغوی معنٰی یعنی ازالہ چیزے بچیزے کے معنی میں استعمال کرتے تھے، اصولیین کے اصطلاحی معنٰی میں استعمال نہیں کرتے تھے، ان کے (متقدمین) ہاں نسخ کے معنٰی ایک آیت کے وصف کا دوسری آیت سے ازالہ کرنا ہے، چاہے وہ باعتبار حقیقت کے عمل کی مدت کی انتہاء ہو، یا کلام کو معنٰی متبادر سے غیر متبادر کی طرف پھیرنا ہو، یا کسی اتفاقی قید کا بیان ہو، یا عام کی تخصیص ہو، یا منصوص اور مقیس کے درمیان بیان فارق ہو، یا عادت جاہلیہ یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو، بہر حال باب نسخ ان کے نزدیک ایک وسیع باب ہے، جس میں عقل کو جولانی کا موقع ملا، اور اختلاف کی گنجائش نکلی۔[5]

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں:

سلف جس کا نام نسخ رکھتے ہیں، وہ ظاہری مفہوم کو رفع کرنا ہے، چاہے یہ تخصیص سے ہو، یا تقیید سے ہو، یا شرط سے ہو، یا مانع سے ہو، سلف کی اکثریت اسی کو نسخ کہتی ہے، یہاں تک کہ استثناء کا نام بھی نسخ رکھا ہے۔[6]

دوسرے علماء کے نزدیک نسخ اصطلاح میں ایک خاص معنٰی میں بولا جاتا ہے، اور وہ کسی حکم شرعی کی انتہاء کو ایسے شرعی طریقہ پر بیان کرنا ہے، جو اس حکم شرعی سے مؤخر ہو، یہاں تک کہ اس حکم شرعی پر عمل کرنا جائز نہ ہو، اسی کو علماء نے مختلف تعبیرات میں بیان کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں :

نسخ کی تعریف بعض لوگوں نے یہ کی ہے کہ وہ عبادت کی انتہاءِ مدت کے بیان کا نام ہے، یہ تعریف بھی کی گئی ہے، کہ وہ عبادت جو بظاہر دائمی شکل رکھتی تھی، اس کا پورا ہو جانا، بعض نے کہا ہے، کہ نسخ ثابت شدہ حکم کو ختم کرنا ہے۔[7]

امام سیوطی نسخ کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں: "إنّما النسخ ازالة للحكم حتى لا يجوز امتثاله" یعنی "نسخ حکم کو زائل کرنا ہے، یہاں تک کہ اس کی انجام دہی جائز نہ رہے"۔[8]

صاحب اکلیل علی مدارک التنزیل رقم طراز ہیں کہ صاحب میزان نے نسخ کی صحیح تعریف یوں کی ہے:
" صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ (نسخ) تراخی کے طور پر اس حکم شرعی مطلق کی انتہاء کا بیان ہے، جس کی ہیشگی

ہمارے خیال میں رچی بسی تھی"۔[9]

یعنی نسخ حکم شرعی کی انتہاء کا بیان ہے، جو ابھی تک مطلق تھا، جس کا ظاہری تقاضا تو یہی تھا کہ یہ حکم دائمی طور پر رہے، پھر جب اس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے، تو یہ بندوں کے حق میں اس حکم کو اٹھانا اور ختم کرنا ہے، جو بظاہر ہمیشگی کے لئے واقع ہوا تھا، اور صاحب شرع کے حق میں یہ محض حکم اول کی انتہاء کا بیان ہے، کیوں کہ ان کے علم میں یہ بات پہلے سے ہی موجود تھی، کہ یہ حکم فلاں وقت میں منتہی ہو جائے گا، لہٰذا نسخ صاحب شرع کے حق میں رفع وازالہ نہیں ہے، بلکہ محض بیان انتہاء ہے، اور مکلفین چوں کہ اس حکم کے انتہاء کے حوالے سے ناواقف تھے، اس لئے جب حکم ثانی نے اس کو منسوخ کر دیا، تو یہ ان کے حق میں رفع وازالہ ہی ہے۔

نسخ اصطلاحی کے موجد:

نسخ کا یہ مفہوم سب سے پہلے امام شافعی نے بیان کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ سلف نسخ سے مطلق ومقید، عام وخاص، اجمال وتفصیل اور استثناء وغیرہ مراد لیتے ہیں، تو اس سے امام شافعی سے پہلے کے لوگوں کی اصطلاح مراد ہوتی ہے، اور ان کے بعد کے زمانہ میں نسخ سے مراد اس کے وہی مفہوم مراد ہوتے ہیں، جو علماء اصولیین نے بیان کیا ہے۔

> اور جب سلف کا منہج بولا جاتا ہے، تو اس سے امام شافعی سے پہلے کے لوگوں کا منہج مراد ہوتا ہے، کیوں کہ وہ سب سے پہلے ایسے شخص ہیں، جنہوں نے نسخ، تخصیص، استثناء، عام کی تقیید اور مجمل کے بیان کے درمیان فرق کیا ہے، پس انہوں نے نسخ کی اصطلاح کو اس کے ساتھ خاص کر دیا کہ جو سابق حکم کو باطل کر دے، اور جو دلیل شرعی سے ثابت ہو۔[10]

امام زرقانی نسخ کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی بہت سی تعریفات کی گئیں ہیں، لیکن میرے نزدیک جو سب سے زیادہ اقرب اور مناسب ہے، وہ مندرجہ ذیل تعریف ہے: "رفع الحكم الشرعي بدليل شرعي" یعنی "کسی دلیل شرعی کے ذریعہ حکم شرعی کو رفع کرنا"۔[11]

امام زرقانی اس تعریف کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ رفع سے مراد یہ ہے کہ مکلفین کے افعال سے اس حکم کا تعلق ختم کیا جائے، نہ کہ اس حکم کا نفس رفع مراد ہے، کیوں کہ وہ ایک ایسا حکم ہے، جو ثابت شدہ ہے، اور ثابت شدہ چیز مرتفع نہیں ہو سکتی ہے۔

نسخ کی ضرورت:

ہر قانون کو ارتقائی مراحل طے کرنے کے لئے تدریج وترتیب کا سہارا لینا پڑتا ہے، جس کی وجہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ ارتقاء پذیر ماحول کی ذہنی و عملی ہم آہنگی ہوتی ہے، اس مقصد کے لئے ناگزیر طور پر قانون میں وقت کے ساتھ ساتھ کچھ تبدیلیاں لانا پڑتی ہیں، ان ہی تبدیلیوں کا نام نسخ ہے۔

شریعت اسلامیہ کی تاریخ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں صحابہ کرام جب نئے نئے دین اسلام میں داخل ہورہے تھے، ان کی ذھنی و عملی تربیت کے لئے جناب رسول اکرم نے تدریجی طور پر اصلاحی کوششیں کیں، کیوں کہ ظاہر سی بات ہے کہ جن لوگوں کی سابقہ پوری زندگی زمانہ جاہلیت میں شرکیہ اعمال وافعال سے آلودہ ہوچکی تھی، اور وہ اعمال وافعال ان کے دل ودماغ میں رچ بس گئے تھے، ایسے میں ان کو اس قسم کے اعمال وافعال سے ایک دم منع کرنا، دعوت دین کی حکمت ومصلحت اور داعیانہ طریق کار کے بالکل منافی تھا، اسی وجہ سے رسول اکرم نے بھی تدریجی طور پر صحابہ کرام کو ایسے اعمال وافعال کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف احکامات بتلائے، شریعت اسلامیہ میں اسی قسم کی تبدیلیاں نسخ سے عبارت ہے۔

نسخ اور بداء میں فرق:

کچھ لوگ وقوع نسخ کے اس لئے منکر ہیں کہ اس سے اللہ تعالی کی شان میں بداء لازم آتا ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالی کو پہلے وہ چیز معلوم نہیں تھی، بعد میں معلوم ہوئی، مثلاً شراب پہلے حرام نہیں تھی، بعد میں جب اس کو حرام قرار دیا گیا، تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالی کو پہلے سے معلوم نہیں تھا کہ اس میں ایسی خرابیاں ہیں، جن کی وجہ سے اب بندوں کے فوائد کی خاطر اس کو حرام قرار دیا گیا، حالاں کہ ایسی بات (یعنی بعد میں کسی چیز کا علم ہونا) اللہ جلّ شانہ کے حق میں باطل اور ناجائز ہے۔

امام زرقانی نسخ اور بداء کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ البداء، بفتح الباء ہے، لغت عرب میں یہ دو متقارب معنی پر بولا جاتا ہے:

1- خفاء کے بعد ظاہر ہونا، اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ قول منقول ہے: ﴿وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ یعنی ﴿اور نظر آئیں ان کو اللہ کی طرف سے جو خیال نہ رکھتے تھے﴾۔[12]

2- کسی نئی رائے کا پیدا ہونا، جو پہلے موجود نہ تھی، اس معنی میں اللہ تعالی کا یہ قول منقول ہے: ﴿ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ

مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيَسْجُنُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ یعنی ﴿ پھر ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ایک نئی رائے پیدا ہوئی کہ وہ وقتی طور پر ان کو قید خانے میں رکھیں گے ﴾۔[13]

یہ "بداء" کے دو متقارب معنی ہیں، اور دونوں کے دونوں اللہ تعالی کی ذات کے سلسلے میں محال ہیں، کیوں کہ پہلے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالی کی ذات کا جہل سے متصف ہونا لازم آتا ہے، دوسرے معنی کے اعتبار سے اللہ تعالی کے علم کا حادث ہونا لازم آتا ہے، حالاں کہ یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالی نہ تو خود حادث ہیں اور نہ ہی محل حوادث ہوسکتے ہیں، جس پر نہ صرف عقلی دلائل موجود ہیں، بلکہ نقلی دلائل بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

نسخ کا مفہوم:

نسخ کا مفہوم ہر گز یہ نہیں کہ اللہ تعالی نے جب بعض احکام کو بعض کے ذریعہ منسوخ کر دیا، تو اس وقت اللہ تعالی پر کوئی ایسی نئی رائے ظاہر ہوئی، جس سے وہ پہلے واقف نہیں تھے۔ کیوں کہ اللہ تعالی ازل سے ہی ناسخ و منسوخ سے واقف تھے۔ البتہ فرق صرف یہ ہے کہ جب مصلحت ختم ہو جائے گی، وہ حکم بھی اس وقت ختم ہو گا، اور اس وقت "حکم ثانی" (ناسخ حکم) کسی دوسری حکمت اور مصلحت کے ساتھ متعلق ہو گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حکمتیں اور مصلحتیں لوگوں کے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں، البتہ احکام اور ان کی حکمتیں، بندے اور ان کی مصلحتیں اور نواسخ و منسوخات سب کے سب اللہ تعالی کے علم میں پہلے سے موجود ہیں، ان میں سے کوئی چیز بعد میں ان پر ظاہر نہیں ہوئی اور نسخ احکام یہ صرف اللہ تعالی کے اپنے بندوں کے سامنے اپنے علم کا اظہار کرنا ہے۔[14]

نسخ کے مفہوم کو علماء نے اس طرح سے سمجھایا ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو وہ علاج کے لئے طبیب یا ڈاکٹر کے پاس چلا جاتا ہے۔ طبیب اس کی بیماری کی تشخیص کرتا ہے، بعد میں اس کے لئے دوا تجویز کرتا ہے، جس میں کچھ دنوں کے لئے ایک دوائی دی جاتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد دوسری دوائی دی جاتی ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے مرض کی تشخیص نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنی طبی مہارت کی بناء پر جانتا ہے کہ پہلے اس کو یہ دوائی کارگر ہوگی، اور بعد میں دوسری دوائی دینی ہے، جس سے وہ پوری طرح صحت یاب ہو جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ اپنے بندوں کی تربیت کس طرح سے کرنی ہے، جس کے لئے ان کو مختلف اوقات میں مختلف قسم کے احکام دیتے ہیں، جس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بندوں کے انجام سے بالکل ناواقف ہیں، جس کی وجہ سے ان کو احکام میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے، بلکہ یہ بندوں کی مصلحتوں کے عین مطابق ہے۔

امام زرقانی "نسخ اور تخصیص" کے درمیان فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ "نسخ" دلیل شرعی کے ذریعہ حکم شرعی کے رفع سے عبارت ہے، اور "تخصیص" یہ ہے کہ عام کو اس کے بعض افراد پر منحصر کیا جائے، تو اس معنیٰ کر ان دونوں کے درمیان ایک مضبوط مشابہت ہے، کیوں کہ "نسخ" میں جہاں حکم کو بعض زمانے کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے، وہیں تخصیص کے اندر حکم کو بعض افراد سے اٹھادیا جاتا ہے، ان دونوں کے درمیان اس طرح کی مشابہت کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات اشتباہ میں پڑگئے، جس کے نتیجہ میں وہ شریعت میں وقوع نسخ کے منکر ہوئے، اور کہتے ہیں کہ ہم جس کو بھی "نسخ" نام دیں گے، وہ تخصیص ہے، جب کہ کچھ حضرات نے "تخصیص" کی بعض صورتوں کو باب نسخ میں داخل کیا ہے، جس سے منسوخ کی تعداد بلا کسی سبب کے بڑھ گئی ہے۔

نسخ اور تخصیص کے درمیان سات فرق:

امام زرقانی نے ان دونوں کے درمیان سات قسم کا فرق بیان کیا ہے، جن کو ذیل میں ترتیب وار بیان کیا جارہا ہے:

1- عام، تخصیص کے بعد مجاز بن جاتا ہے، کیوں کہ تخصیص کے وقت اس کا مدلول بعض افراد ہی رہ جاتے ہیں، جب کہ لفظ عام کل افراد کے لئے موضوع ہوتا ہے، اور وہ لفظ جس کی یہ کیفیت ہو، وہ مجاز بن جاتا ہے، رہی بات نص منسوخ کی، تو وہ برابر اپنے تمام موضوع لہ کے لئے ہی مستعمل رہتا ہے، البتہ صرف اتنی بات ہے کہ ناسخ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ازل ہی میں اس حکم منسوخ کے ایک خاص وقت کے ساتھ متعلق تھا، اگرچہ نص منسوخ بظاہر جمیع ازمان کو شامل تھا۔

2- تخصیص کے ذریعہ عام سے جو افراد خارج ہوتے ہیں، وہ عام سے بالکل مراد نہیں ہوتے، یعنی حکم ابتداء ہی سے ان کو شامل نہیں ہوتا، برخلاف نسخ کے، کیوں کہ وہاں پر نسخ کے ذریعہ خارج شدہ حکم لفظ منسوخ سے مراد ہوتا ہے۔

3- تخصیص مامور واحد کے امر اور منہی واحد کی نہی میں نہیں ہوسکتی ہے، بالفاظ دیگر تخصیص کا تعلق تعدد سے ہے، نہ کہ افراد سے، جب کہ "نسخ" تعدد اور افراد دونوں سے متعلق ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض وہ احکام بھی منسوخ کئے گئے ہیں، جو صرف آپ کے ساتھ خاص ہیں۔

4- نسخ کے ذریعہ منسوخ کی حجیت تمام افراد میں باطل ہوجاتی ہے، جب کہ تخصیص کے ذریعہ عام کی حجیت مابقیہ افراد میں برقرار رہتی ہے۔

5- نسخ صرف کتاب وسنت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے، برخلاف تخصیص کے، کیوں کہ وہ ان کے علاوہ دیگر امور

یعنی دلیل حسی اور دلیل عقلی کے ذریعہ سے بھی ہوتا ہے۔

6- نسخ ایسی دلیل سے ہو گا، جو منسوخ کے بعد وارد ہو، جب کہ تخصیص سابق، لاحق اور مقارن تینوں کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے، اگرچہ کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ تخصیص صرف مقارن سے ہو گی۔

نسخ اخبار میں واقع نہیں ہو سکتا، اور تخصیص اخبار وغیرہ سب میں ہوتی ہے۔[15]

نسخ کی حکمت:

امام شوکانی نسخ کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے امام رازی کے حوالے سے رقم طراز ہیں: "یعنی مشروع احکام دو قسم کے ہیں: (1) ایک وہ احکام ہیں، جن کا نفع اور فائدہ عقل کے ذریعہ سے جانا جاتا ہے۔ (2) دوسرے وہ احکام ہیں، جن کا نفع اور فائدہ عقل سے نہیں، بلکہ از روئے سمع ثابت ہے"۔[16]

ان میں سے پہلی والی قسم کے احکام میں وقوعِ نسخ ممتنع ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی ہمیشہ کے لئے فرمانبرداری کرنا، جب کہ دوسری قسم کے احکام میں وقوعِ نسخ ممکن ہے، اس قسم کے احکام کو منسوخ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ بدنی اعمال جب عمل کرتے کرتے عادت سی بن جاتے ہیں، تو بندے یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید یہ اعمال ہی بذاتِ خود مقصود ہیں، اور اصل مقصود، جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور بزرگی تھی، اس سے وہ دور ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً ان اعمال میں تغیر و تبدل کرتے رہے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان اعمال سے مقصود احوالِ قلب اور ارواح کی معرفت و محبت میں رعایت مقصود ہے۔

شاہ صاحب کے نزدیک نسخ کی حقیقت:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نسخ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ نسخ حکم کی تبدیلی کا نام ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حکم میں تبدیلی نہیں ہوتی، جیسا کہ بخاری شریف کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، جو معراج سے متعلق ہے، اس میں مذکور ہے کہ "ہمارے یہاں بات بدلتی نہیں ہے"۔

شاہ صاحب کے بقول "نسخ" حکم کی انتہاء کا نام ہے، یہ انتہاء کئی وجہوں سے متحقق ہوتی ہے:

1- انتہاءِ علت کی وجہ سے حکم منتہی ہو جائے، جیسے کہ فتح مکہ کے بعد، ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا، اس لئے کہ اب مکہ مکرمہ فتنہ کا گھر نہیں رہا۔

2- مقصدِ اصلی کے لئے علت مظنہ باقی نہ رہے، یعنی یہ کہ اب قطعی طور پر اس بات کا گمان اور شک نہ رہے، کہ جس چیز کو مقصدِ اصلی کی حرمت کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا تھا، وہ اس تک پہنچانے کا ذریعہ اور سبب نہ بنے، مثلاً

پہلے شراب کے برتنوں کو استعمال کرنا یا فائدہ اٹھانے کو بھی حرام قرار دیا گیا تھا، تاکہ اصل یعنی شراب سے بچا جائے، پھر جب مقصدِ اصلی یعنی شراب کی حرمت اس طرح مستقر ہوئی کہ لوگ اس کے قریب بھی جانا پسند نہیں کرتے تھے، تو برتنوں کی حرمت بھی ختم کر دی گئی۔

3- علت بننے سے اب کوئی دوسری چیز مانع بن رہی ہو، جیسے جب اسلام اور مسلمانوں کو قوت حاصل ہو گئی، تو اس وقت تالیفِ قلب کی ضرورت باقی نہ رہی، لہٰذا مؤلفۃ القلوب کا حصہ ختم ہو گیا، اس لئے ان کو زکوۃ دئے جانے کی جو علت تالیفِ قلب تھی، وہ اب علت نہیں بن سکتی۔

4- وحی جلی کے ذریعہ نبی کریم پر کسی دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جائے، جیسے بیت المقدس کی طرف نماز میں استقبال کا منسوخ ہونا۔

5- خود آپ کے اجتہاد کے ذریعہ دوسرے حکم کی ترجیح ظاہر ہو جائے، جیسے کہ آپ کا ارشاد ہے، "کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور، ألا فزوروھا، فإنّھا تذکر الآخرۃ" [17] یعنی "میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، سن لو، تم ان کی زیارت کرو، کیوں کہ اس سے آخرت یاد آتی ہے"۔ [18]

نسخ کے شرائط:

علماء اصولیین نے نسخ کے تحقق کے لئے قدرے مشترک کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے کہ ان شرائط کی موجودگی میں ہی نسخ کا تحقق ہو سکتا ہے، اگر وہ شرائط نہیں پائی جاتی ہیں، تو ایسی صورت میں نسخ کا تحقق نہیں ہو سکتا ہے، وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

1- منسوخ حکم، شرعاً ثابت ہو، بعد میں اس کو اٹھایا گیا ہو، پس اگر کوئی چیز بطورِ عادت کے پائی جا رہی تھی، جس پر مسلمانوں کو برقرار رکھا گیا تھا، بعد میں اس کو اٹھایا گیا، تو یہ نسخ نہیں کہلائے گا، بلکہ یہ ابتداءِ شرع کہلائے گا، جیسے شراب کہ ابتداءِ اسلام میں عربوں میں اس کے پینے کا رواج تھا، اور ایک زمانے تک ان کو اپنی اسی عادت پر برقرار رکھا گیا، اور بعد میں اس کو اٹھا لیا گیا، یعنی شربِ خمر کو حرام قرار دیا گیا۔

2- ناسخ، منسوخ سے بالکل جدا اور مؤخر ہو، اس لئے کہ اگر وہ اس سے بالکل متصل ہو گا، جیسے کہ شرط، صفت اور استثناء پائے جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں یہ نسخ نہیں کہلائے گا۔

3- نسخ شرعی خطاب کے ساتھ وارد ہو، پس اگر حکم کا ارتفاع مکلف کی موت یا اس کے جنون کی وجہ سے ہو، تو یہ نسخ نہیں کہلائے گا، بلکہ یہ کلی طور پر تکلیف کا سقوط کہلائے گا، مثلاً کوئی بالغ شخص انتقال کر گیا، تو اس پر سے عائد

تمام دینی احکام مرتفع ہو جائیں گے، پس احکام کا یہ ارتفاع نسخ نہیں کہلائے گا۔

4- منسوخ حکم کسی وقت کے ساتھ مقید نہ ہو کہ جس وقت کے دخول کے ساتھ ہی حکم مرتفع ہو جائے گا، تو اس وقت کے وجود کے وقت حکم کا ارتفاع نسخ نہیں کہلائے گا۔

5- ناسخ، منسوخ کے مقابلے میں یا تو قوی ہو، یا اس کے مثل ہو، پس اگر ناسخ، منسوخ کے مقابلے میں ضعیف ہو، تو وہ قوی کو ختم نہیں کر سکتا ہے، جس پر نہ صرف عقل دلالت کرتی ہے، بلکہ اجماع بھی اس پر دلیل ہے۔[19]

مذکورہ بالا شرائط میں سے پہلی، تیسری اور چوتھی شرط میں نظر ہے، کیوں کہ پہلی شرط کے تحت شربِ خمر کی حرمت کی جو مثال ذکر کی گئی ہے، اس کو ابتداء اسلام میں مطلقاً حلال برقرار نہیں رکھا گیا، بلکہ قرآنی ارشاد کے مطابق اس پر تین دور گزرے ہیں:

اَ- ابتداءِ اسلام میں شربِ خمر کی عادت کو برقرار رکھا گیا۔

ب- بعد میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، بالفاظِ دیگر نماز کے قریبی حالت میں شربِ خمر کی ممانعت کی گئی، تاکہ اس کا اثر نماز پڑھتے وقت نہ رہے۔

ج- مطلقاً شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

تو صاحبِ کتاب کی تشریح کے مطابق اس کی صرف پہلی والی حالت ابتداء شرع کہلائے گی اور باقی کے دو دور یا دو حالتیں ابتداء شرع نہیں کہلائیں گی بلکہ وہ نسخ کی ذکر کردہ تعریف کے مطابق نسخ میں شمار ہوں گی۔ تیسری شرط میں اس معنٰی پر نظر ہے کہ نسخ دراصل حکمِ اول کی مدت کی انتہاء اور حکمِ ثانی کی ابتداء سے تعبیر ہے، اور مکلف کی موت یا جنون سے بے شک حکمِ اول منتہی ہو جاتا ہے، لیکن حکمِ ثانی کی ابتداء کا نام ونشان ہی نہیں ہے۔ چوتھی شرط اس معنٰی پر صحیح نہیں ہے کہ حکمِ موقت کی انتہاء دخولِ وقت کے ساتھ ہی مقید ہے، دخولِ وقت کے بعد ہی حکمِ ثانی کی ابتداء ہو گی، اور یہی نسخ ہے۔

نسخ فی القرآن کے بارے میں علماء مفسرین کے آراء:

قرآن کریم میں "نسخ" کے وقوع کے بارے میں علماء مفسرین مختلف خیالات اور آراء رکھتے ہیں، ایک طرف اگر ایک جماعت "وقوع نسخ فی القرآن" کی قائل ہے، وہیں دوسری جماعت اس کی سختی کے ساتھ تردید کرتی ہے، دونوں جماعتوں کی طرف سے اپنے اپنے نظریہ پر قرآنی آیات سے استدلال کیا گیا ہے، اور ہر ایک جماعت کی طرف سے مخالف جماعت کے دلائل کے جوابات بھی دئے گئے ہیں، وقوعِ نسخ کا موقف جمہور علماء اور سلف کا مسلک ہے، جب کہ عدم وقوع نسخ پہلے تو کچھ ہی علماء کا موقف تھا، لیکن بعد میں اس کی حمایت بھی بہت

سے علماء کی طرف سے ہوتی رہی، اور اس جماعت کے سرخیل ابو مسلم اصفہانی ہیں۔

ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک نسخِ قرآن:

ابو مسلم اصفہانی کے حوالے سے یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ "وقوع نسخ" کے بارے میں ان سے مختلف روایات منقول ہیں، اور سب سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ قرآن کریم میں "وقوعِ نسخ" کے منکر ہیں، وہ آیت کریمہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[20] کے مفہوم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ سابقہ ادیان میں جو قوانین واحکام وقت اور حالات کے ساتھ مقید تھے، انہیں منسوخ کردیا گیا ہے، چوں کہ اب انسانیت ترقی کرتے کرتے ایسی منزل پر آپہنچی ہے کہ اب اسے ایک ابدی ضابطہ حیات کی ضرورت ہے، اور وہ ابدی ضابطہ حیات اسے شریعت اسلامیہ کی شکل میں دے دیا گیا، جس کا اصل مأخذ قرآن کریم ہے، اس ضابطہ حیات میں پچھلی شریعتوں کے کچھ احکام منسوخ کردئے گئے ہیں، اور کچھ کو علی حالہ باقی رکھا گیا ہے، اس مفہوم کی رو سے ان کے مطابق آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا: "پچھلی شریعتوں کے احکام کو ہم منسوخ کردیتے ہیں یا ترک کردیتے ہیں، تو اس کی جگہ اس سے بہتر، اس جیسا کوئی اور حکم لے آتے ہیں"۔[21]

ابو مسلم اصفہانی "نسخ فی القرآن" کے انکار کے سلسلے میں قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ یعنی ﴿باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کا نازل کردہ ہے﴾۔[22]

ابو مسلم اس آیت کریمہ سے اس طور پر استدلال کرتے ہیں کہ "نسخ" باطل ہے، کیوں کہ "نسخ" حکم سابق کو لغو قرار دینے سے عبارت ہے، پس اگر قرآن کریم میں "نسخ" واقع ہو، تو ایسی صورت میں اس میں باطل کا دخول ہوگا، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب لازم آئے گی، اور یہ محال ہے، اور جو مستلزمِ محال ہو، وہ خود محال ٹھرتا ہے۔

جمہور مفسرین نے ابو مسلم اصفہانی کے اس اعتراض کا تین طریقوں سے جواب دیا ہے:

1- ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ "نسخ" باطل سے عبارت ہے، کیوں کہ "باطل" حق کی ضد ہے، اور "نسخ" برحق اور مبنی بر صدق ہے، اگرچہ منسوخ کا حکم غیر معمول بہ ہے، پس آیت کریمہ میں معنیٰ مطلوب پر کوئی دلالت نہیں۔

2- ہمیں تسلیم ہے کہ نسخ باطل سے عبارت ہے، لیکن "لا یأتیہ " میں ضمیر کا مرجع جمیع قرآن ہے، اس صورت میں آیت کریمہ کے معنٰی و مفہوم یہ ہوں گے کہ جمیع قرآن کریم منسوخ نہیں ہو سکتا، اور اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن کریم پورا کا پورا منسوخ نہیں ہو سکتا ہے، پس جو مسئلہ محلِ نزاع ہے، اس پر آیت کریمہ دلالت نہیں کرتی، اور جس پر آیت کریمہ دلالت کرتی ہے، وہ اتفاقی مسئلہ ہے۔

3- یہ تسلیم ہے کہ "نسخ" باطل سے عبارت ہے، لیکن آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم سے پہلے نہ کوئی ایسی کتاب ہے، جو اس کو باطل ٹھہرا سکتی ہے، اور نہ ہی بعد میں کوئی ایسی کتاب ہوگی، جو اس کو باطل ٹھہرا دے گی۔[23]

سر سید احمد خان کے نزدیک نسخ قرآن:

جدید دور کے مفسرین میں سے سر سید "وقوع نسخ فی القرآن" کی قائل جماعت پر انتہائی غضبناک نظر آتے ہیں، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

> اس آیت ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا﴾[24] کی تفسیر میں ہمارے ہاں کے مفسروں نے بے انتہاء کج بحثیاں کی ہیں، اور مذہب اسلام کو بلکہ خدا کو بدنام کیا ہے، اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنا دیا ہے، انہی کج بحثیوں میں بعض مفسروں نے، جن کو خدا نے ہدایت کی ہے، سیدھی راہ بھی اختیار کی ہے، ہر ایک شخص، جس کے مزاج میں کج بحثی نہیں ہے، وہ اس آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو پڑھ کر سیدھا اور صاف مطلب سمجھ سکتا ہے۔[25]

چوں کہ جو جماعت "وقوع نسخ فی القرآن" کی قائل ہے، وہ جن آیات کریمہ سے استدلال کرتی ہے، ان میں سے مضبوط اور قوی ترین آیت سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ ... قَدِيرٌ﴾ یعنی ﴿جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں، تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے﴾۔[26]

اس سے مفسرین کرام نے قرآن کریم میں" وقوع نسخ" پر استدلال کیا ہے، لیکن سر سید علیہ الرحمہ ان پر چوٹ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں، جو تم نے سمجھا ہے، بلکہ اس سے پہلی والی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب اس بات کو درست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر کچھ بھلائی اترے، اور ان کے بقول بھلائی سے مراد قرآن کریم اور احکام شریعت ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ

عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿﴾[27]

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کو یہ پسند ہی نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر خیر کا نزول ہو، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں، اس کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں، اور وہ بڑے ہی فضل والے ہیں۔

سر سید کے اس خیال کی دو وجہیں ہیں:

1- پہلی یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں گزرے تھے، اور ان کو یہ بالکل پسند نہ تھا کہ بنی اسماعیل میں کوئی نبی پیدا ہو۔

2- دوسری وجہ یہ تھی کہ شریعتِ اسلامیہ کے احکام، شریعتِ موسوی کے احکام سے کسی قدر مختلف تھے، اور وہ اپنی شریعت کی نسبت اس خیال کے قائل تھے کہ وہ دائمی ہے، اس کا کوئی بھی حکم تبدیل نہیں ہو سکتا۔

سر سید فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس خیال کی تردید کی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کریم کی آیت مراد نہیں، بلکہ موسوی شریعت کے وہ احکام مراد ہیں، جو شریعت اسلامیہ میں تبدیل ہو گئے ہیں۔[28]

سر سید کے مطابق قرآن کریم میں کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے کہ جس کو کسی دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہو، کیوں کہ وہ نسخ کی جو تعریف کرتے ہیں، اس کے اعتبار سے کوئی بھی آیت منسوخ نہیں قرار پاتی، اور دوسرے علماء نے نسخ کی جو تعریف کی ہے، اس کو وہ یہ کہہ کر کہ "یہ تعریف نہ خدا کی ہے، اور نہ ہی رسول اللہ کی ہے" سختی کے ساتھ رد کرتے ہیں۔ ان کے بقول "نسخ" کی تعریف میں اتحاد حیثیت کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے، یعنی جن دو حکموں میں ایک کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ کہا جا رہا ہے، ان میں اگر اتحادِ حیثیت پائی جاتی ہے، تب تو ان میں نسخ کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، ورنہ "نسخ" کا دعویٰ بالکل بے معنیٰ ہے، اور ان کے مطابق قرآن کریم سے جتنے بھی احکام ثابت ہیں، وہ تمام کے تمام الگ الگ حالت اور حیثیت پر مبنی ہیں، اس لئے ان کے بقول قرآن کریم کا کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہے۔[29]

مولانا عبد الصمد رحمانی کے نزدیک نسخ قرآن:

مولانا رحمانی "نسخ فی القرآن" کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصولاً کسی مسئلہ کو کسی مذہب کی طرف اس وقت تک منسوب کرنا صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک نہ خود وہ اس کا حامی ہو، کیوں کہ جن امور سے کوئی مذہب خود ساکت اور خاموش ہو، اگر اس کے پیروان کی نسبت اس کی طرف کرتے ہوں، جب کہ وہ اس سے خود ساکت اور خاموش ہے، تو اس کی وقعت "پیراں نمی پرند مریداں ہمی پرانند" سے زیادہ نہیں

ہے، جس طرح سے ان مسائل کا انکار صحیح نہیں، جن کا کوئی مذہب خود ہی معترف ہو، کیوں کہ ایسے مسائل کا انکار کر دینا اس مذہب میں تحریف کے مترادف ہے۔[30]

مذکورہ بالا اصول پر بناء رکھتے ہوئے مولانا رحمانی فرماتے ہیں کہ ہمیں سب سے پہلے قرآن شریف پر غور کرنا چاہیئے، آیا خود قرآن کریم "نسخ" کا حامی ہے یا منکر، یا اس مسئلہ سے ساکت و خاموش ہے، کیوں کہ اگر وہ اس مسئلہ سے منکر یا ساکت ہے، تو ایسی صورت میں "نسخ" کو بغیر کسی دلیل کے اس کی طرف منسوب کرنا نا قابل معافی جرأت ہے، اور اگر وہ اس کا معترف ہے، تو اس کا انکار کرنا بد دینی اور لا مذہبیت ہے۔

مولانا رحمانی فرماتے ہیں کہ جو جماعت قرآن کریم میں "وقوعِ نسخ" کی قائل ہے، وہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے استدلال کرتی ہے:

1- ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِها نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْها أَوْ مِثْلِها ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّه عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[31]

2- ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّه أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[32]

ان آیات کریمہ میں سے چوں کہ پہلی آیت کو "وقوعِ نسخ فی القرآن" کے بارے میں سب سے زیادہ قوی اور مضبوط سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں صراحۃ لفظ "نسخ" مذکور ہے، اور اس کا ترجمہ اکثر مفسرین نے یہ کیا ہے، " ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں، یا اس کو بھلا دیتے ہیں، تو اس سے بہتر یا اس کے مثل آیت نازل کرتے ہیں"۔[33]

مولانا رحمانی آیت کریمہ کے اس ترجمہ پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر نحوی حیثیت سے یہ ترجمہ صحیح ہوتا، تو یہ آیت کریمہ قطعی طور پر " وقوعِ نسخ فی القرآن" پر زبردست دلیل ہوتی، لیکن نحوی حیثیت سے اس کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ لفظ "ننسخ" پر جو حرف "ما" داخل ہے، وہ اسماء جازمہ میں سے ہے، اسی وجہ سے "ننسخ" مجزوم ہے، اور یہ "ما" ان شرطیہ کے معنیٰ میں ہے، اور ان شرطیہ فعل کو مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے، لہٰذا مذکورہ آیت کریمہ کو مندرجہ ذیل دو وجوہ کی بناء پر "نسخ فی القرآن" کے وقوع پر استدلال میں پیش نہیں کیا جا سکتا:

1- آیت کریمہ کے ترجمہ میں زمانہ استقبال کے بجائے، زمانہ حال اختیار کیا گیا ہے، جو کہ غلط ہے۔

2- جملہ شرطیہ کو کسی امر کے وقوع سے تعلق نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کے ذریعہ سے کسی امر کا وقوع بیان کیا جاتا ہے، بلکہ اس میں صرف فرض کے طور پر کسی امر کے لئے کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے۔

پس اس آیت کریمہ سے نہ ہی نسخِ آیت کا وقوع سمجھا جا سکتا ہے، اور نہ ہی اس میں نسخِ آیات کے وقوع کو بیان کیا گیا ہے، زیادہ سے زیادہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر بالفرض کوئی حکم منسوخ ہو گا، تو اس سے بہتر حکم بارگاہِ خداوندی سے نازل ہو گا، اس لئے آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ قاعدہ کے مطابق یہ ہو گا: "ہم جس حکم کو آیت سے منسوخ کر دیں گے یا بھلا دیں گے، تو اس سے بہتر حکم نازل کریں گے"۔

مولانا رحمانی کے نزدیک چوں کہ موضوعِ بحث " نسخ اصطلاحی " ہے، جس کا منشا دو آیتوں کے درمیان تضاد اور حقیقی تناقض کا پایا جانا ہے، اگر اس طرح کا تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں کسی ایک پر نسخ کا حکم لگایا جا سکتا ہے، ورنہ نہیں، اس لئے ان کے نزدیک آیتِ قرآنی ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ﴾ سے بھی استدلال کرنا دلیلِ عام کے ذریعہ، دعوی خاص کو بیان کرنے کے مترادف ہے، بقول ان کے:

" تبدیل ... نسخ اور غیر نسخ دونوں کو شامل ہے، کیوں کہ تبدیل کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک حکم دوسرے حکم سے اس طرح بدل دیا جائے کہ پہلا حکم بالکل اٹھ جائے، اور اس کی حیثیت ایسی ہو جائے کہ شرعا اس کی مشروعیت ہی نہیں ہوئی ہے، مثلا حدیث شریف میں ہے، " میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا، اب اچھی طرح سمجھ لو کہ اب تم ان کی زیارت کرو"، اور تبدیل کی یہ شکل بعینہ اصطلاحی نسخ ہے، دوسری صورت تبدیل کی یہ ہے کہ ایک حکم پہلے مبہم ہو، اور پھر اس کی تفسیر کر دی جائے، یا مطلق ہو، اس کو مقید کر دیا جائے، اور یا عام ہو، خاص کر دیا جائے، اس تبدیل کو اصطلاحی نسخ سے کوئی تعلق نہیں ہے... اس طرح کی تبدیلی کا الہامی کتاب میں پایا جانا، الہامی کتاب کے منافی نہیں ہے"۔[34]

مولانا کے نزدیک اگر آیتِ کریمہ میں تبدیلی سے دوسرے معنٰی و مفہوم مراد لئے جائیں، تو یہ اس اصولِ قرآنی " القرآن یفسّر بعضہ بعضا" کے بالکل عین مطابق ہے، اور اس طرح کی تبدیلی سے نسخ کا ثبوت نہیں ہو گا، اور ممکن ہے کہ مشرکین اپنی نا سمجھی اور نادانی سے اسی کو اختلافِ حقیقی کا رتبہ دے کر، ﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ﴾ پکار اٹھے ہوں۔ اگر تبدیلی کی پہلی صورت مراد لی جائے، تو مابہ النزاع نسخ کا ثبوت ہو گا، مگر اس صورت کو اختیار کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں دو آیتوں کے درمیان حقیقی اختلاف اور حقیقی تضاد کو تسلیم کرنا ہو گا، اور یہ قرآن مجید کے اس صریح نص کے خلاف ہو گا، جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر یہ قرآن مجید غیر اللہ کی کتاب ہوتی، تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے۔ اس لئے اگر آیتِ کریمہ میں تبدیلی سے پہلے معنٰی مراد لئے جائیں۔ تو ایسی صورت میں قرآن مجید کا غیر الہامی کتاب کا ہونا لازم آتا ہے، اور یہ باطل ہے، اور جو مستلزم

باطل ہو، وہ محال ٹھرتا ہے۔ اس لئے اس آیت کریمہ سے بھی "وقوع نسخ" پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ان حضرات نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے سلسلے میں مجموعی طور پر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

1- ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾[35] یعنی ﴿کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر وہ اللہ کے سوا کی طرف سے ہوتا، تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے﴾۔

2- ﴿الر ۚ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾[36] یعنی ﴿الر، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیات کو محکم بنادیا گیا ہے، پھر ان کی حکیم وخبیر کی طرف سے تفصیل بیان کی گئی ہے﴾۔

3- ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾[37] یعنی ﴿باطل نہ سامنے سے اس پر آسکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ ہے﴾۔

قائلینِ نسخ علماء مفسرین کے آراء

امام رازی کی وقوعِ نسخ پر رائے:

مفسر کبیر امام فخر الدین رازی آیتِ نسخ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وقوعِ نسخ (فی القرآن) پر اس آیت (ما ننسخ من آیۃ الخ) سے استدلال کرنا کمزور ہے، کیوں کہ یہ آیتِ کریمہ شرط وجزاء پر مشتمل ہے، جس سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہم کسی آیت کو منسوخ کرلیں گے، تو اس سے بہتر یا اُس جیسی کوئی دوسری آیت لے آئیں گے، یہ بات بالکل ثابت نہیں ہوتی کہ نسخ واقع ہوچکا ہے، اس کی تائید میں مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے، جیسے کوئی یوں کہے، "من جاءك فأكرمه" یعنی "جو تیرے پاس آئے، اس کا اکرام کر"۔ تو جس طرح اس میں صرف یہ بتلایا گیا کہ تیرے پاس اگر کسی کی آمد ہو، تو اس کی عزت کرنا، اسی طرح آیتِ کریمہ میں صرف یہ بتلایا گیا کہ اگر کسی آیت کو منسوخ کیا گیا، تو اس سے بہتر یا اس کے مثل دوسری آیت پیش کی جائے گی، نہ کہ اس آیتِ کریمہ میں وقوعِ نسخ کی خبر دی گئی ہے، اس لئے امام رازی اس آیت کریمہ سے وقوعِ نسخ پر استدلال کرنے کو ضعیف اور کمزور سمجھتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ زیادہ قوی بات یہ ہے کہ وقوعِ نسخ پر قرآن کریم کی دوسری آیات ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور ﴿يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ سے استدلال کیا جائے۔[38]

امام فخر الدین رازی سورہ نحل کی آیت کریمہ کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم پر کوئی ایسی آیت نازل ہو جاتی، جس میں کوئی سخت حکم نازل ہو جاتا، اور اس کے بعد کوئی دوسری ایسی آیت نازل ہو جاتی، جس میں تخفیف نازل ہو جاتی، تو کفارِ قریش یوں کہتے کہ کہ محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، اس طور پر کہ آج ان کو ایک حکم دیتے ہیں، تو کل اسی حکم سے ان کو منع کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یہ تمام احکام اپنی طرف سے پیش کرتا ہے، تو اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اس حقیقت کو کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ ہم بندوں کی تمام مصلحتوں سے واقف ہیں، کون سا حکم، کس وقت ان کے مناسب ہے، اس کی بھرپور ہم خبر رکھتے ہیں، اس لئے نسخِ احکام کی بناء پر کفار قریش کو یہ حق بالکل نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی وجہ سے حضرت محمد پر یہ الزام دھرلیں کہ وہ یہ احکام اپنی طرف سے پیش کرتا ہے۔[39]

امام رازی نے وقوعِ نسخ پر جو تفصیلی بحث ذکر کی ہے، اس میں انھوں نے جمہور علماء کے حوالے سے "وقوعِ نسخ فی القرآن" پر اتفاق نقل کیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ابو مسلم اصفہانی کے مخالف مذہب کو بھی بیان کیا ہے۔ مگر انھوں نے جمہور علماء کی طرف سے پیش کئے گئے مستدلات پر وارد شدہ اعتراضات کا جو مدلل جوابات دئے ہیں، وہ اس بات کا آئینہ دار ہے کہ امام رازی خود بھی "وقوعِ نسخ فی القرآن" کے قائل ہیں، گو کہ ان کے نزدیک اس کی دلیل سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۰۱ ہے، اور اسی آیت کو انھوں نے جمہور علماء کی طرف سے آخری مستدل کے طور پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس مستدل پر ابو مسلم اصفہانی نے جو اعتراض کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر وقوعِ نسخ کو مانا جائے، تو ایسی صورت میں آیتِ قرآنی ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ صحیح نہیں ٹھرتی، کیوں کہ نسخ ماننے سے یہ بات لازم آتی ہے کہ یہ حکم باطل اور غلط تھا، حالاں کہ آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلامِ خداوندی میں باطل کلام کے دخول کی کوئی سبیل نہیں، اس لئے نسخ ثابت نہیں ہے۔

امام رازی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سے پہلے جتنی بھی کتابیں تھیں، وہ قرآن کریم کو باطل نہیں ٹھرا سکتیں، اور نہ ہی قرآن کریم کے بعد کوئی ایسا کلام آئے گا، جو قرآن کریم کو باطل ٹھرائے گا۔[40]

اس طرح کے جواب سے امام رازی کا یہ رجحان واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ وہ "وقوعِ نسخ فی القرآن" کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ اس کو مدلل اور زوردار طریقہ سے پیش کرنے میں بھی پیش پیش ہیں۔

علامہ رشید رضا مصری کا موقف:

رشید رضا مصری آیت نسخ اور آیت تبدیل کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیت نسخ کی تکمیل قدرت الٰہی پر کی گئی ہے، جب کہ دوسری آیت کا اختتام علم الٰہی اور تنزیل الٰہی پر کیا گیا ہے، پس دوسری آیت میں علم الٰہی اور تنزیل کا ذکر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس میں آیات سے مراد آیات احکام ہوں، اور آیت نسخ میں قدرت الٰہی کا ذکر آیات احکام اور ان کے نسخ کے مناسب نہیں، ہاں اگر اس میں بھی علم الٰہی اور حکمت خداوندی کا ذکر ہوتا، تو پھر یہ احکام الٰہی کے نسخ کے مناسب تھا۔

اس لئے اس آیت کریمہ (آیت نسخ) میں سیاق وسباق کے لحاظ سے "آیت" سے مراد دلیل نبوت (معجزہ) ہے، اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم جس دلیل (معجزہ) کو بھی ختم کرتے ہیں، اور طول عہد کی وجہ سے لوگوں کے ذہن سے اس کو محو کرتے ہیں، گو کہ یہ ہماری قدرت کاملہ کی بناء پر ہے، تو ہم اس سے بہتر اور مضبوط دلیل کسی نبی کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے دے سکتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جو دلیل یا معجزہ کسی ایک نبی کو دیا گیا، وہی دلیل کسی دوسرے نبی کو دی جائے۔[41]

ان دونوں حضرات (رشید رضا مصری اور امام رازی) کا قدرے مشترک اس بات پر اتفاق ہے کہ آیتِ نسخ سے وقوعِ نسخ پر استدلال کرنا صحیح اور درست نہیں ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ دونوں حضرات وقوعِ نسخ فی القرآن کے حامی ہیں۔

علامہ ابن کثیر کا موقف:

ابن کثیر آیت نسخ پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ تمام مسلمان احکامِ خداوندی میں وقوعِ نسخ پر متفق ہیں، صرف ابو مسلم اصفہانی فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں نسخ واقع نہیں ہے، ان کا یہ استدلال کمزور اور قابل رد ہے۔[42]

علامہ آلوسی کا نظریہ:

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی وقوع نسخ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تمام ہی ادیان کے ماننے والوں کے نزدیک نسخ کا جواز اور وقوع ایک متفق علیہ مسئلہ ہے، صرف یہود نے بجز عیسویہ کے امکانِ نسخ کا انکار کیا ہے، اور ابو مسلم اصفہانی نے وقوع کا انکار کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ نسخ احکام الٰہیہ میں تو ممکن ہے، لیکن کہیں واقع نہیں ہوا۔[43]

علامہ آلوسی کی مذکورہ بالا عبارت اگرچہ قرآن کریم میں وقوعِ نسخ کے بارے میں صریح نہیں ہے، لیکن

دوسری جگہ انھوں نے وقوعِ نسخ فی القرآن کے ثبوت پر صراحت کی ہے، جیسا کہ وہ آیت قرآنی ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ﴾ کے تحت یوں تشریح کرتے ہیں: "أي اذا نزلنا آية من القرآن مكان آية منه وجعلناها بدلا منها بأن نسخناها بها"[44] یعنی "جب ہم قرآن کریم کی کسی آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں، اور اس کو پہلی والی آیت کے بدل کے طور پر رکھتے ہیں، بایں طور کہ اُس کو اِس کے ذریعہ سے منسوخ کرتے ہیں"۔

مولانا اصلاحی نے نسخ کے متعلق ایک مستقل عنوان بنام "نسخ کی حقیقت اور اس کی ضرورت" قائم کیا ہے، جس کے تحت انھوں نے ادیانِ سابقہ کے احکام کی منسوخی کی ضرورت کو مختلف عناوین کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور آخر میں "شریعتِ اسلامی میں نسخ کی نوعیت" کے عنوان سے تفصیلی گفتگو کی ہے، جس میں انھوں نے شریعتِ اسلامی میں وقوعِ نسخ کے حوالے سے تین جماعتوں کا ذکر کیا ہے:

1- ایک گروہ ان لوگوں کا ہے، جو نہ صرف نسخ کا قائل ہے، بلکہ اس کو بہت زیادہ وسعت دیتے ہیں۔
2- دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے، جو نسخ کا یک قلم منکر ہے۔
3- تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے، جو نسخ کا قائل تو ہے، لیکن اس کو صرف چند احکام تک محدود مانتا ہے۔

مولانا اصلاحی پہلی جماعت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک نسخ کا ایک خاص مفہوم ہے، جس میں یہ عام کی تخصیص، ابہام کی تفصیل اور اطلاق کی تقیید جیسے مواقع میں، تخصیص، تفصیل اور تقیید کو نسخ سے تعبیر کرتے ہیں، حالاں کہ اس طرح کے مواقع میں نسخ ماننے سے زیادہ معقول بات یہ ہے کہ عام وخاص اور مجمل ومفصل کے درمیان توفیق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے گروہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> جو گروہ نسخ کا یک قلم منکر ہے، اس کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے احکام حالات کے تابع ہیں، جو احکام منسوخ ہوئے ہیں، وہ صرف اس وجہ سے ہوئے ہیں کہ جن حالات کے اندر وہ نازل ہوئے تھے، وہ تبدیل ہو گئے، اب اگر وہی حالات دوبارہ پلٹ آئیں، تو وہ احکام بھی از سرِ نو بحال ہو جائیں گے، اس وجہ سے جو احکام بظاہر منسوخ ہیں، وہ فی الحقیقت منسوخ نہیں ہیں، بلکہ اپنے مخصوص حالات کے اندر بدستور قائم وزندہ ہیں، یہ گروہ اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں یہ بات بھی پیش کرتا ہے کہ اسلامی شریعت کا ارتقاء بتدریج نرمی سے سختی کی طرف ہوا ہے، اس وجہ سے جب حالات اس بات کے مقتضی

ہو جائیں کہ نرمی کی طرف پلٹا جائے، تو یہ پلٹنا اسلامی شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے۔[45]

مولانا اصلاحی دونوں گروہوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم ان دونوں مسلکوں کو کمزور سمجھتے ہیں اور تیسرا مسلک، جس کے مطابق قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ ہیں، ہمارے نزدیک صحیح مسلک ہے۔[46]

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا اصلاحی کے نزدیک نہ اس جماعت کا مسلک صحیح ہے، جو قرآن کریم میں بے شمار آیات کریمہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں، اور نہ ان لوگوں کا مسلک صحیح ہے، جو یک قلم قرآن کریم کی کسی بھی آیت کے منسوخ ہونے کے منکر ہیں، بلکہ ان کے مطابق صحیح مسلک یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات منسوخ ہیں۔

مولانا اصلاحی کی اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نسخ کا مفہوم وہی معتبر ہے، جو متأخرین علماء نے بیان کیا ہے، اسی لئے وہ قرآن کریم کی بعض آیات کے سلسلے میں منسوخ ہونے کے قائل ہیں، اگر ان کے نزدیک نسخ کا مفہوم وہی ہوتا، جو متقدمین نے بیان کیا ہے، تو وہ صرف بعض آیات کریمہ کے منسوخ ہونے کے قائل نہ ہوتے۔

مولانا اصلاحی بالکل اس خیال کے قائل ہیں کہ شریعت اسلامی میں ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو وقتی اور عارضی حیثیت کے احکام تھے اور بعد میں ان کے بدلے مستقل اور دائمی احکام دئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ نعوذ باللہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص ہے جس کے سبب اس کے نازل شدہ قانون کو تجربات اور آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا بلکہ اس کی وجہ صرف بندوں کی بعض فطری خامیاں اور کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ بسا اوقات کسی قانون کے قبول کرنے میں تدریج اور تربیت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان ہیں، اس لئے اپنے قانون میں اس تدریج و تربیت کو ملحوظ رکھا۔ اس تدریج و تربیت کے حوالے سے مولانا رقم طراز ہیں:

> یہ تدریج اور تربیت قرآن کے ناسخ اور منسوخ احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ مختلف تقاضوں کے مختلف طرزِ عمل کی مقتضی ہوئی ہے، مثلاً بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ معاشرہ کے ابتدائی حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے کسی باب خاص میں کوئی عارضی حکم دیا جائے، اور جب معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائے، تو اس عارضی حکم کو آخری اور کامل حکم

سے بدل دیا جائے، مثلاً ابتداء ورثہ کے حقوق کے تحفظ کے لئے وصیت کا حکم دیا گیا، بدکاری کے سدّباب کے لئے پنچائتی قسم کی تعزیر کی ہدایت کی گئی انصار ومہاجرین کی اخوت کو اخلاقی اخوت سے بڑھا کر قانونی اخوت کا درجہ دیا گیا، لیکن بعد میں جب معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا، تو وراثت کے آخری اور حتمی قانون اور زنا کی معین اور قطعی حد نے ان عارضی قوانین کو منسوخ کر کے ان کی جگہ لے لی۔

بعض حالات میں یہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عام انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی قانون درجہ بدرجہ اپنی آخری حد پر پہنچے، مثلاً شراب چوں کہ اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس وجہ سے ابتداء یہ صرف نماز کے اوقات کے لئے حرام ہوئی... لیکن بعد میں جب طبائع کو ان چیزوں سے انس ہو گیا، تو شراب کے قطعی حرمت کے حکم، ماہ رمضان کی تعداد کی تکمیل کی ہدایت اور فدیہ کی اجازت کی منسوخی نے ان ابواب میں بھی شریعت کو کامل کر دیا، ان احکام کے بعد صرف اضطرار کے تحت ایک محدود ومشروط اجازت باقی رہ گئی۔[47]

مفتی محمد شفیع پاکستانی کے نزدیک آیت کی تفسیر:

مفتی محمد شفیع صاحب آیت کریمہ کی تشریح میں یوں رقم طراز ہیں:

اس آیت میں کسی آیتِ قرآنی کے منسوخ ہونے کی جتنی صورتیں ہو سکتی ہیں، سب کو جمع کر دیا ہے، نسخ کے معنیٰ لغت میں زائل کرنے اور لکھنے کے آتے ہیں، اس پر تمام مفسرینِ امت کا خیال ہے کہ اس آیت میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے، اور اسی لئے اصطلاحِ کتاب وسنت میں "نسخ" ایک حکم کے بجائے کوئی دوسرا حکم جاری کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ دوسرا حکم بھی ہو کہ سابق حکم بالکل ختم کر دیا جائے، یا یہ ہو کہ اس کی جگہ دوسرا عمل بتلایا جائے۔[48]

مفتی صاحب کے بقول حکومتی اداروں میں کسی حکم کو جاری کر کے بعد میں اس کو منسوخ کر دینا معروف ومشہور ہے، لیکن انسانوں کے احکام میں نسخ کی مندرجہ ذیل طریقے ہو سکتے ہیں:

1- کسی غلط فہمی سے کوئی حکم دیا گیا، بعد میں حقیقت کھل جانے پر اس کو منسوخ کر کے دوسرا حکم دے دیا گیا۔
2- حالات کے مناسب حکم جاری کیا گیا تھا، اور بعد کے حالات کا اندازہ نہیں تھا، لیکن جب حالات بدل گئے، تو حکم بھی بدلنا پڑا۔
3- حکم دینے والے کو پہلے سے ہی معلوم ہے کہ آگے حالات بدل جائیں گے، اور یہ حکم اس وقت کے حالات کے مناسب نہیں ہوگا، یہ جانتے ہوئے بھی آج ایک حکم دیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدل گئے، تو اپنی قرار دادِ سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا۔

مذکورہ بالا صورتوں میں سے پہلی دو صورتیں احکامِ خداوندی میں نہیں ہو سکتی ہیں، کیوں کہ ان دونوں صورتوں میں خدا تعالیٰ کے علم میں نقص لازم آتا ہے، اور یہ محال ہے، اس لئے پہلی دو صورتیں باطل اور غلط ٹھرتی ہیں، البتہ تیسری صورت احکامِ خداوندی میں ہو سکتی ہے، اور ہوتی رہی ہے، ہر آنے والی نبوت اور نازل ہونی والی کتاب نے پچھلی نبوت اور کتاب کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے احکام جاری کئے، اسی طرح ایک ہی نبوت و شریعت میں ایسا ہوتا رہا، کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا، پھر بتقاضائے حکمتِ خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا۔[49]

مفتی صاحب کے نزدیک یہودیوں نے احکامِ الٰہی میں وقوعِ نسخ کو، دنیاوی احکام میں نسخ کی پہلی دو صورتوں پر قیاس کر کے نبی کریم پر زبانِ طعن دراز کی، جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی تھی، اور مسلمانوں میں سے فرقہ معتزلہ نے ان مخالفین کے طعن سے بچنے کی راہ نکالنے کے لئے یہ تجویز نکالی کہ احکامِ الٰہیہ میں نسخ کا تو امکان ہے، اور اس امکان کے لئے کوئی مانع نہیں، لیکن پورے قرآن کریم میں نسخ کہیں بھی واقع نہیں ہوا، نہ ہی اس میں کوئی ناسخ آیت موجود ہے اور نہ ہی منسوخ آیت۔

مفتی صاحب قرآن وسنت میں وقوعِ نسخ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

> قرآن وسنت میں نسخ کے وجود و وقوع کے متعلق صحابہ و تابعین کے اتنے آثار واقوال موجود ہیں، جن کو نقل کرنا مشکل ہے، تفسیر ابن کثیر، ابن جریر، در منثور وغیرہ میں اسانید قویہ صحیحہ کے ساتھ بھی بہت سی روایات مذکور ہیں، اور روایات ضعیفہ کا تو شمار نہیں۔[50]

مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ چوں کہ نسخ اصطلاح میں تبدیلی حکم سے عبارت ہے، اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکل منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دینے میں پائی جاتی ہے، ایسے ہی کسی مطلق یا عام حکم میں

کوئی قید یا شرط بڑھا دینے سے بھی تبدیلی پائی جاتی ہے، متقدمین علماء نے نسخ کو اسی عام معنٰی میں استعمال کیا ہے، جس میں دونوں قسم کی تبدیلیاں شامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک شمار کی گئی ہے، جب کہ متأخرین علماء نے نسخ صرف اس تبدیلی کا نام رکھا ہے، جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہوسکے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن کریم میں منسوخ آیات کی تعداد بہت گھٹ جائے گی، چنانچہ متأخرین علماء میں سے علامہ سیوطی نے صرف انیس آیتوں میں نسخ مانا ہے، اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں میں نسخ کو مانا ہے۔

مفتی صاحب کے نزدیک اگرچہ آیات منسوخہ کی تعداد کو کم سے کم کرنے کی یہ کوشش اس لحاظ سے امر مستحسن ہے کہ احکام میں اصل، حکم کا بقاء ہے اور نسخ خلافِ اصل ہے، جس کی بناء پر جہاں کہیں بھی آیتِ قرآنی کے معمول بہا ہونے کی کوئی توجیہ ہوسکتی ہے، اس میں ضرورت کے لیے نسخ ماننا درست نہیں، لیکن ان کے بقول اس تقلیل کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ مسئلہ نسخ اسلام یا قرآن کریم پر کوئی عیب تھا، جس کو اسلام یا قرآن کریم کے چہرے سے مٹانے کی چودہ سو برس تک کوشش چلتی رہی، اگر تقلیلِ نسخ کا یہی منشاء ہے، تو ان کے نزدیک یہ نہ تو اسلام کی کوئی صحیح خدمت ہے اور نہ ہی قرآن کریم کی۔[51]

نسخ فی القرآن کے منکرین نے جن آیات قرآنیہ سے استدلال کیا ہے، ان کے بارے میں قائلین نسخ نے جو تفسیر بیان کی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

علامہ زمخشری سورہ نساء کی آیت کریمہ میں مذکورہ لفظ "اختلافا" کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں نظم وبلاغت اور معانی کے اعتبار سے تفاوت پایا جائے، بایں طور کہ بعضے قرآن کریم صفت اعجاز میں انتہاء پر فائز ہو، اور بعضے اس سے قاصر ہو، نیز یہ کہ قرآن کریم میں غیب سے متعلق دی گئی خبریں بعض واقعات کے موافق ہوں، اور بعض کے مخالف ہوں۔[52]

صاحب بیضاوی آیت کریمہ کی اسی طرح کی تشریح فرمانے کے بعد رقم طراز ہیں کہ قرآن کریم میں احکام کا اختلاف اس قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ یہ اختلاف حکمت ومصلحت میں اختلاف پر مبنی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "ولعل ذكره ههنا للتنبيه على أن اختلاف ما سبق من الأحكام ليس لتناقض في الحكم بل لاختلاف الأحوال في الحكم والمصالح۔[53]

اس کے محشی نے اس کو اور واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ ناسخ و منسوخ کا اختلاف حکم میں تناقض کی بناء پر نہیں ہے، اس لئے کہ ہر وہ حکم جو کسی زمانے کے ساتھ خاص ہے، وہ دوسرا حکم ہے، جس نے حکمت و مصلحت کا تقاضا کیا، اور یہ حالات میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔[54]

سورہ ھود کی آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات اس طرح منظم و مربوط ہیں کہ ان میں کسی بھی قسم کا نقص اور خلل واقع نہیں ہو گا، دوسرا مطلب یہ ہے کہ "اِحکام" منع فساد سے عبارت ہے، اس معنی پر مفہوم یہ ہو گا کہ قرآن کریم کی آیات کسی دوسری کتاب کے ذریعہ سے منسوخ نہیں ہوں گی، جس طرح سے دوسری کتابیں اور دوسری شریعتیں منسوخ ہوئی ہیں، مگر چوں کہ اس کی بعض آیات منسوخ ہوئی ہیں، اس لئے پورا قرآن پاک محکم نہیں قرار پائے گا، لیکن اس کی اکثر آیات چوں کہ محکم اور غیر منسوخ ہیں، اس لئے اکثریت کا اعتبار کرتے ہوئے کلِ قرآن پر محکم ہونے کا حکم لگایا گیا۔ آگے مزید فرماتے ہیں کہ قرآن کریم مندرجہ ذیل امور کی بناء پر محکم ہے:

1- اس کے مضامین چوں کہ توحید، عدل، نبوت اور معاد وغیرہ پر مشتمل ہیں، اور یہ مضامین ایسے ہیں کہ جن میں نسخ واقع نہیں ہوتا۔

2- قرآن کریم کی آیات میں چوں کہ تناقض نہیں ہے، جو کہ اِحکام کی ضد ہے، اس لئے قرآن کریم کی آیات محکم ٹھریں۔

3- قرآن کریم کے الفاظ فصاحت وبلاغت میں اس درجہ پر ہیں کہ وہ معارضہ کو قبول نہیں کرتے، اس معنی پر بھی اس میں اِحکام پایا جاتا ہے۔[55]

خاتمہ:

متقدمین ومتاخرین علماء کے درمیان "وقوع نسخ" کے بارے میں اختلاف اس کی اصطلاحی تعریف پر مبنی ہے، کیوں کہ متقدمین علماء نسخ کو اس کے وسیع تر معنی میں استعمال کرتے ہیں، علماء متاخرین کے نزدیک "نسخ" ایک خاص اصطلاح ہے، جس کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم کسی خاص وقت تک کے لئے مامور بہ اور قابل عمل رہا ہے، بعد میں معمول بہ نہیں رہا، اس معنی میں علماء مفسرین قرآن کریم میں "وقوع نسخ" کے بارے میں مختلف رجحانات اور آراء رکھتے ہیں، چنانچہ بعض کے نزدیک اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم میں نسخ واقع ہوا ہے، جب کہ بعض کے نزدیک نسخ واقع نہیں ہوا ہے۔

متاخرین علماء کے نزدیک نسخ کے جو اصطلاحی مفہوم ہیں، اس پر یہودیوں کا یہ اعتراض بے جا ہے کہ وہ "بداء" کے مترادف ہے، اس لئے کہ دونوں کے درمیان واضح اور بدیہی فرق ہے، "بداء" کا جو مفہوم ہے، اس کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں ہرگز جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے شایان شان اور مناسب ہے، اس کے برخلاف نسخ کے جو معنی و مفہوم ہے، اس کے جواز میں کوئی برائی نہیں، کیوں کہ "نسخ" کے اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے احکام خداوندی میں بندوں کی مصالح کی رعایت ملحوظ نظر ہوتی ہے، جو اللہ تعالی کی حکیم ذات کے عین مناسب اور شایان شان ہے، اس لئے کہ دنیاوی امور میں جس طرح تدریج ضروری ہے، اسی طرح دینی احکام میں بھی اس بات کا خیال رکھا جانا بہت ضروری ہے کہ بندوں کی مصالح کی رعایت مد نظر رکھی جائے۔

نسخ فی القرآن کے بارے میں دو قسم کے آراء ہیں، ایک یہ کہ قرآن کریم میں ایسے احکام پائے جاتے ہیں، جو پہلے مامور بہ رہے ہیں، اور بعد میں مامور بہ نہیں رہے، ان آراء کے بارے میں قرآن کریم کی متعدد آیات سے استدلال کیا جاتا ہے، جن میں بطور خاص سورہ بقرہ کی آیت (۱۰۶) اور سورہ نحل کی آیت (۱۰۱) سے استدلال کیا گیا ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قرآن کریم میں اس معنی کے لحاظ سے نسخ واقع ہوا ہی نہیں ہے کہ پہلے کچھ احکام مامور بہ اور معمول بہ رہے ہیں، اور بعد میں ان پر عمل کرنا منسوخ کردیا گیا۔ اس کے استدلال میں قرآن کریم کی جن آیات کو مستدل بنایا گیا ہے، وہ سورہ ہود کی آیت (۱) اور سورہ فصلت کی آیت (۴۲) ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ جن آیات کو "وقوع نسخ فی القرآن" کے استدلال میں پیش کیا گیا ہے، ان کی توضیح و تشریح پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ ان میں وقوع نسخ پر قطعی طور پر دلالت نہیں پائی جاتی کہ جس سے قرآن کریم میں نسخ ثابت ہوتا ہو۔

قرآن کریم کی آیات میں " نسخ " کے بارے میں علماء مفسرین احکام کے ظاہری تعارض کو دیکھ کر بہت سی آیات میں ناسخ و منسوخ کے قائل ہوئے ہیں اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی کہ بعض علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کرڈالی ہیں، جن میں اس مسئلہ کے حوالے سے افراط سے کام لیا گیا ہے کیوں کہ ان میں قرآن کریم کی بہت سی آیات کو منسوخ الحکم قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ جب ناسخ و منسوخ آیات کی معنوی تنقیح کی جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کو "نسخ" کے وسیع معنی و مفہوم کے مطابق منسوخ کہا گیا ہے جیسا کہ متقدمین علماء کرام کا طریقہ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے علماء نے اس کو مد نظر رکھتے ہوئے ان میں تطبیق دے کر اس کی تعداد کو کافی حد تک محدود کردی ہے، چنانچہ امام سیوطیؒ نے صرف انیس آیات میں "نسخ" کو مانا ہے، گویا وہ قرآن کریم کی انیس آیات میں " وقوع نسخ" کے قائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بعد میں ان آیات میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو صرف پانچ بلکہ چار آیات

میں منحصر کیا ہے اور بظاہر ان میں وقوع نسخ کے قائل ہوئے ہیں، لیکن ان میں بھی بعد کے علماء نے تطبیق دے کر قرآن کریم کی آیات میں "وقوع نسخ" کا مسئلہ ہی ختم کر دیا۔ اس طرح "وقوع نسخ" کی ایک قسم کے حوالے سے علماء نے دلائل کی روشنی میں پورے قرآن کریم کو معمول بہ اور قابل عمل بنانے کی کوشش کی ہے۔

دراصل نسخ کے معنی ومفہوم کی جتنی تنقیح ہوتی رہی ہے، آیات منسوخہ کی تعداد میں بھی اسی کے مطابق کمی واقع ہوتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ یہ حقیقت خود بخود واضح ہوگئی کہ قرآن مجید میں ایسی کوئی بھی آیت نہیں بچتی کہ جو من کل الوجوہ منسوخ العمل یا منسوخ الحکم قرار دی جائے کیوں کہ کسی نہ کسی زمانے یا حالت میں اس پر عمل کیا جا سکتا ہے.

راقم الحروف کے مطالعے کے مطابق "نسخ فی القرآن" کے ثبوت وعدم ثبوت کے سلسلے میں کسی بھی جماعت کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جو قطعی الدلالہ ہو۔ کیوں کہ جانبین سے جو بھی دلائل پیش کئے گئے ہیں ان میں کسی بھی ایک نظریہ پر قطعی دلالت نہیں پائی جاتی۔ اس لئے کہ دونوں طرف سے پیش کئے گئے دلائل کے جوابات بھی دئے گئے ہیں لیکن اس معنی پر کہ اصل قرآن کریم میں عدمِ نسخ ہے جب تک اس کے خلاف یعنی ثبوتِ نسخ فی القرآن پر کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کی جاتی، یہی مسلک اور نظریہ مضبوط نظر آتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

---

[1] ابن منظور، محمد بن مکرم. لسان العرب. ط: دار الفکر، بیروت، فصل النون، حرف الخاء، ۲۸/۴

[2] أیضاً

[3] القرآن الکریم، سورۃ النحل ۱۶: 101

[4] القرآن الکریم، سورۃ الجاثیۃ 45: 29

[5] الدہلوی، شاہ ولی اللہ. الفوز الکبیر. ط: مکتبہ حجاز، دیوبند، ص۵۱

[6] ابن القیم. اعلام الموقعین. ط: 1344ھ، مکتبۃ الکلیات الأزہریۃ، قاہرہ، 2/ ۳۸۶

[7] ابن حزم. معرفۃ الناسخ والمنسوخ. ط: 1926ء، مطبعہ ازہریہ، مصر، ص۳۱۱

[8] سیوطی، جلال الدین. الاتقان فی علوم القرآن. ط: مصطفائی مصر، النوع السابع والاربعون، 1/ ۲۱

[9] شیخ الحق. الاکلیل علی مدارک التنزیل. ط: اکلیل المطابع، 1/ ۲۹۴

[10] ابوعبید، القاسم الہروی. الناسخ والمنسوخ فی القرآن العظیم من الفرائض والسنن. تحقیق: محمد بن صالح المدیفر. ط: مکتبہ الرشید ریاض، ص۵۵

[11] الزرقانی، عبدالعظیم. مناہل العرفان. ط: 1373ھ، داراحیاء الکتب العربیۃ، 2/۷۲

[12] القرآن الکریم، سورۃ الزمر 39: 47

[13] القرآن الکریم، سورۃ یوسف 12: 35

[14] مناہل العرفان، 2/77

[15] مناہل العرفان، 2/۸۲-۸۰

[16] شوکانی، محمد علی. إرشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول. ط: 1993ء، دارالفکر، بیروت، ص۴۱۸

[17] امام ترمذی، ترمذی شریف. ط: کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما جاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور، 1/25

[18] الدہلوی، شاہ ولی اللہ. حجۃ اللہ البالغہ. ط: کتب خانہ رشیدیہ، 1/139

[19] أیضاً، 2/106

[20] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 106

[21] رازی، فخر الدین. التفسیر الکبیر. ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۲/۲۲۹

[22] القرآن الکریم، سورۃ فصلت 41: 42

[23] شعبان، محمد اسماعیل. نظریۃ النسخ فی الشرائع السماویۃ. ط: 1408ھ، دارالسلام، بیروت، ص۴۲

[24] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 106

[25] خان، سید احمد. تفسیر القرآن. ط: 1296ھ، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ، ۱/۱۶۲

[26] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 106

[27] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 105

[28] تفسیر القرآن، ۱/۱۶۲

[29] تفسیر القرآن، ص۱۶۷

[30] رحمانی، عبدالصمد. قرآن محکم. ط: ۱۳۸۶ھ، نیشنل پرنٹنگ پریس، دیوبند، ص۱۷

[31] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 106

[32] القرآن الکریم، سورۃ النحل 16: 101

[33] قرآن محکم، ص۲۱

[34] مرجع سابق، ص۲۷

[35] القرآن الکریم، سورۃ النساء 4: 82

[36] القرآن الکریم، سورۃ ھود 11: 1

[37] القرآن الکریم، سورۃ فصلت 41: 42

[38] التفسیر الکبیر، ۳/۲۲۹

[39] التفسیر الکبیر، ۲۰/۱۱۶

[40] مرجع سابق

[41] مصری، رشید رضا. تفسیر المنار. ط: مکتبہ القاہرہ، ۱/۴۱۵

[42] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر. تفسیر ابن کثیر. ط: مکتبۃ مصطفی محمد، ۱/۱۵۱

[43] آلوسی، سید محمود. روح المعانی. ط: ادارۃ الطباعۃ المصطفائیۃ، ۱/۳۵۲

[44] روح المعانی، ۱۴/۲۳۱

[45] مرجع سابق، ص ۳۱۴

[46] مرجع سابق، ص ۳۱۵

[47] مرجع سابق، ص ۳۱۶

[48] مفتی، محمد شفیع. معارف القرآن. ط: مصطفائیہ دیوبند، ۱/۲۲۶

[49] مرجع سابق،، ص ۲۲۷

[50] مرجع سابق، ۱/۲۲۸

[51] مرجع سابق، ص ۲۸۶

[52] زمخشری، محمود بن عمر. تفسیر کشاف. ط: دار الکتاب العربی، بیروت، ۱/۵۴۰

[53] بیضاوی، امام. تفسیر بیضاوی. ط: مکتبہ مجتبائی، دہلی، 2/۶۵

[54] تفسیر بیضاوی، 2/۶۵

[55] التفسیر الکبیر، ۱۷/ ۱۷۸